شرعی احکام میں مسلمانوں کی رائے کی اہمیت

تالیف: مولانا ابو قیس محمد اویس مدنی

زیرِ نگرانی: حضرت مولانا محمد سجاد مدنی عطاری مدظلہ العالی

پیشکش: مجلسِ افتاء (دعوتِ اسلامی)

شرعی احکام میں مسلمانوں کی رائے کی اہمیت

تالیف

مولانا ابو قتیبس محمد اویس مدنی

زیرِ نگرانی

حضرت مولانا محمد سجاد مدنی عطاری مُدَّظِلُّہُ العالی

پیشکش

مجلسِ افتاء (دعوتِ اسلامی)

www.dawateislami.net

فہرست

نمبر	عنوان	صفحہ
1	مقدمہ	4
2	حدیث مبارک	7
3	حدیث مبارک کی تحقیق و تخریج	8
4	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مخلوق پر فضیلت اور وجہ فضیلت	12
5	صحابہ کرام کی تمام امت پر فضیلت اور وجہ فضیلت	13
6	مدار فضیلت و ترجیح دل ہی کیوں؟	15
7	عامۃ المسلمین کی رائے اللہ تعالیٰ کے ہاں کیوں مقبول ہے؟	16
8	احکام شرعیہ کو پرکھنے کا اصول	18
9	قوانین فقہیہ کا استنباط	19
10	کن مسلمانوں کی رائے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے؟	20
11	بدعت حسنہ اور مسلمانوں کی پسند، ناپسند	21
12	خطبہ جمعہ میں ایک آیت مبارکہ کا اضافہ	23
13	طوافِ وداع کے بعد کعبہ معظمہ کو دیکھتے ہوئے اور روتے ہوئے الٹے پاؤں پلٹنا	25
14	قبر کی حفاظت کے لیے قبر کی کوہان کچی اینٹوں سے بنانا	27
15	فجر کے علاوہ بقیہ نمازوں میں تثویب کہنا (اذان کے بعد جماعت سے پہلے، جماعت کی اطلاع دینا)	28

www.dawateislami.net

16	اعضائے وضو، ناک صاف کرنے اور پسینہ صاف کرنے کے لیے اپنے ساتھ رومال رکھنا	30
17	عید کا خطبہ منبر پر دینا	32
18	محافل میلاد، فاتحہ، عرس وغیرہ کا مروجہ طریقہ	33
19	اجماع اور مسلمانوں کی پسند، ناپسند	35
20	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع	36
21	شراب پینے پر کوڑوں کی تعداد پر اجماع	38
22	ہر زمانے کا اجماع حجت ہے	40
23	عرف و تعامل اور مسلمانوں کی پسند، ناپسند	41
24	منقولی چیزوں کا وقف	43
25	بیع استصناع	45
26	حمام کی اجرت منفعت مجہول ہونے کے باوجود جائز ہے	49
27	حرفِ آخر	51

www.dawateislami.net

مقدمہ

الحمدللہ رب العلمین والصّلاۃ والسّلام علی خاتم النبیین وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین اما بعد:

اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور آخر میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر سلسلہ انبیاء کو ختم کر دیا اور دائمی ہدایت کے لیے قرآن مجید نازل فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ تو کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی کتاب۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین مکمل کر دیا، جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ ترجمہ کنزالعرفان: ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔“ (پارہ6، سورۃ المائدہ، آیت نمبر3)

اور دینِ اسلام دنیا کے ہر زمانے، خطے اور قوم کے لیے ہے، لہٰذا نظامِ حیات کے ہر مسئلے کا حل اسلام میں موجود ہے یا تو صراحت کے ساتھ قرآن و حدیث و اقوال صحابہ میں موجود ہے یا ایسے اصول و قواعد کی روشنی میں جنہیں سامنے رکھ کر ہر زمانے، خطے اور قوم کے مسئلے کا حل دریافت کیا جاسکتا ہے اور یہ اسلام کے ایسے اصول و قوانین ہیں، جو اسلامی شریعت کو ہر دور میں متحرک اور رواں دواں رکھتے ہیں اور اس میں جمود (ٹھہراؤ) پیدا نہیں ہونے دیتے، اس لیے کسی دور میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسلامی شریعت انسان کی رہنمائی نہیں کر سکتی۔

اسلام صرف عرب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ ظاہری حیات کے لیے نہیں، بلکہ قیامت تک ہر زمانے، خطے اور قوم کے لیے ہے، تغیراتِ زمانہ سے نئے مسائل کا پیدا ہونا ایک قدرتی عمل ہے اور اس میں ممکن و واقع ہے کہ قرآن و حدیث میں اس نئے مسئلے کا ذکر صراحت کے ساتھ نہ ملے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث مبارک سے ظاہر ہے کہ جب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے انہیں یمن بھیجنے کا ارادہ کیا، تو ان سے

www.dawateislami.net

دریافت فرمایا: ”کیف تقضي إذا عرض لک قضاء؟ قال: أقضي بکتاب اللہ، قال: فإن لم تجد في کتاب اللہ؟ قال: فبسنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، قال: فإن لم تجد في سنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، ولا في کتاب اللہ؟ قال: أجتهد رأیي، ولا آلو فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صدره، وقال: الحمد للہ الذي وفق رسول رسول اللہ لما یرضي رسول اللہ“ یعنی: جب تمہارے سامنے کوئی معاملہ پیش آئے گا، تو کس طرح فیصلہ کروگے؟ عرض کی: کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ، تو کیا کروگے؟ عرض کی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: اگر سنت رسول اللہ میں بھی نہ پاؤ، تو کیا کروگے؟ عرض کی: اپنی رائے سے اجتہاد (مسئلے میں غور و خوض) کروں گا اور اجتہاد کرنے میں کمی نہ کروں گا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں کہ جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی کہ جس سے اس کا رسول راضی ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد، باب اجتهاد الرای، حدیث 3592، جلد 3، صفحه 303، المکتبة العصریة، بیروت)

نئے مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلام ہمیں بہت سے اصول عطا کرتا ہے، جنہیں سامنے رکھ کر علمائے کرام اس نئے مسئلے کی شرعی حیثیت کو پرکھ سکتے ہیں کہ یہ نیا مسئلہ شریعت کی نگاہ میں کیسا ہے؟ اور نئے مسائل کو پرکھنے کے بنیادی اصولوں میں ایک اہم اصول (”**ما رأی المسلمون حسنا، فهو عند اللہ حسن**“ **جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے**) پر ذیل میں ہم گفتگو کریں گے، جو ایک حدیث پاک کا جز بھی ہے۔

شرعی اصول و قواعد کی روشنی میں نئے مسائل اخذ کرنے کی قابلیت و مہارت اور صلاحیت و اہلیت رکھنے والے علمائے کرام بخوبی جانتے ہیں کہ جب کسی اسلامی اصول کو کسی مسئلے کی بنیاد بنایا جائے تو اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ سلف صالحین اور علمائے مجتہدین کے

www.dawateislami.net

نزدیک اس اصول کی حدود و قیود کیا ہیں اور اس میں کتنی وسعت ہے اور سابقہ علماء نے کن جگہوں پر اس اصول کا استعمال فرمایا ہے تاکہ اس اصول سے نئے مسائل کو اخذ کرنے میں حتی الامکان غلطی سے اپنے آپ کو محفوظ کیا جاسکے۔

اس قانون کی اہمیت کے پیش نظر شیخ الحدیث و التفسیر مفتی محمد قاسم عطاری دامت برکاتہم العالیہ نے مذکورہ قانون "**ما رأی المسلمون حسنا، فھو عند اللہ حسن**" (**جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے**) کے ماخذ یعنی حدیث کی تحقیق و تخریج کا فرمایا کہ فقہاء و محدثین نے کس انداز سے یہ قانون استعمال کیا ہے اور کن مسائل میں اس سے استدلال کیا ہے۔ مفتی صاحب کے ارشاد کے مطابق اس روایت کی تحقیق و تخریج اور اس قانون کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء و محدثین نے جو کلام کیا ہے، اس کو ذیل میں تحریر کیا گیا اور مذکورہ قانون چونکہ ایک حدیث پاک کا جز ہے، تو اس لیے پہلے مکمل حدیث مبارک متن، ترجمہ اور تخریج کے ساتھ ذکر کی گئی اور پھر اس کے بعد اس حدیث کی سند پر صحت و عدم صحت اور موقوف و مرفوع ہونے کے اعتبار سے کلام کیا ہے اور اس روایت کا ابتدائی حصہ چونکہ فضیلت اور دوسرا حصہ ایک فضیلت کے ساتھ ساتھ ایک ضابطے اور قانون پر مشتمل ہے، اس لیے ذیل میں پہلے اس روایت کے ابتدائی فضیلت والے حصے کو مکمل شرح و معانی کے ساتھ بیان کیا ہے اور پھر اس کے بعد مذکورہ قانون اور ضابطے پر مختلف پہلوؤں سے کلام کیا گیا ہے۔ اختصار سے کام لیتے ہوئے اس کی چند مثالیں تحریر کی ہیں، تاکہ اس عظیم قانونِ شرعی کی حدود قیودات کو متعین کیا جاسکے اور علوم شرعیہ کے سمندر میں غوطہ زن ہونے والوں کے لیے نئی راہیں کھل سکیں۔

ابو قتیبس محمد اویس مدنی

(دارالافتاء اہلسنت فیصل آباد)

www.dawateislami.net

حدیث مبارک

"حدثنا أبو بكر، حدثنا عاصم، عن زر بن حبيش، عن عبد الله بن مسعود، قال: "إن الله نظر في قلوب العباد، فوجد قلب محمد صلى الله عليه وسلم خير قلوب العباد، فاصطفاه لنفسه، فابتعثه برسالته، ثم نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد، فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد، فجعلهم وزراء نبيه، يقاتلون على دينه، فما رأى المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ"

ترجمہ: ہمیں ابو بکر نے بیان کیا اور انہیں عاصم نے بیان کیا اور انہیں زر بن حبیش نے بیان کیا اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دِلوں میں نظر فرمائی، تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر کو بندوں کے دلوں میں سے سب سے بہتر پایا، پھر اس کو اپنی ذات کے لیے چُن لیا اور اس کو اپنی رسالت کے لیے مبعوث فرمایا، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو دیکھنے کے بعد، بندوں کے دلوں میں دیکھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دِلوں کو دوسرے بندوں کے دِلوں سے بہتر پایا اور ان کو اپنے نبی کے وزراء بنا دیا جو اس کے دین کے لیے لڑتے ہیں، پس وہ چیز جسے مسلمان اچھا سمجھیں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے اور جس کو وہ برا سمجھیں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہوتی ہے۔

- (مسند امام احمد بن حنبل، باب مسند عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه، جلد6، صفحہ84، مؤسسة الرسالة)
- (مسند البزار، جلد5، صفحہ212، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورہ)
- (مسند أبي داود الطيالسي، جلد1، صفحہ199، دار هجر، مصر)
- (المستدرک على الصحيحين، جلد3، صفحہ83، دار الكتب العلمية، بيروت)

www.dawateislami.net

- (الشريعة للآجري، جلد4، صفحہ1676، دار الوطن، الرياض)
- (المعجم الأوسط، جلد4، صفحہ58، دار الحرمين، القاهرة)
- (المعجم الكبير للطبراني، جلد9، صفحہ112، مطبوعہ القاهرة)
- (بحر الفوائد المسمى بمعاني الأخبار للكلاباذي، صفحہ150، دار الكتب العلمية، بيروت)
- (تثبيت الإمامة وترتيب الخلافة لأبي نعيم الأصبهاني، صفحہ376، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة)
- (الاعتقاد للبيهقي، صفحہ322، دار الآفاق الجديدة، بيروت)
- (المدخل إلى السنن الكبرى للبيهقي، صفحہ114، دار الخلفاء للكتب الإسلامي، الكويت)
- (معرفة السنن والآثار، جلد1، صفحہ185، دار الوفاء، القاهرة)
- (شرح السنة للبغوي، جلد1، صفحہ214، المكتب الإسلامي، دمشق، بيروت)
- (الأمالي المطلقة لابن حجر العسقلاني، صفحہ65، المكتب الإسلامي، بيروت)
- (نصب الراية لأحاديث الهداية، جلد4، صفحہ133، مؤسسة الريان للطباعة والنشر، بيروت)
- (غاية المقصد في زوائد المسند، جلد1، صفحہ11، دار الكتب العلمية، بيروت)
- (كشف الأستار عن زوائد البزار، جلد1، صفحہ81، مؤسسة الرسالة، بيروت)
- (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، جلد1، صفحہ177، مكتبة القدسي، القاهرة)
- (الدراية في تخريج أحاديث الهداية، جلد2، صفحہ187، دار المعرفة، بيروت)
- (كشف الخفاء، جلد2، صفحہ221، المكتبة العصرية)

حدیث مبارک کی تحقیق و تخریج

اس روایت کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند کے "باب مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ" میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً (حدیث

www.dawateislami.net

موقوف: وہ قول، فعل یا تقریر جس کی نسبت صحابی کی طرف کی جائے۔) روایت کیا ہے اور اس روایت کو محدثین نے موقوف اور حسن قرار دیا ہے، اگرچہ بعض کے نزدیک یہ روایت مرفوع ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے، جیسا کہ علامہ اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی الجراحی العجلونی الدمشقی، علامہ شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوی، علامہ ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی، علامہ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی، علامہ محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے اس روایت کی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مرفوع نہیں، بلکہ موقوف ہے، بہت زیادہ تلاش اور جستجو کے باوجود ہمیں اس روایت کا مرفوع ہونا کسی بھی حدیث کی کتاب سے نہیں ملا، حتی کہ سند ضعیف کے ساتھ بھی مرفوع ہونا ہمیں کہیں نہیں ملا۔

چنانچہ علامہ اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی الجراحی العجلونی الدمشقی اپنی کتاب "کشف الخفاء" میں اور شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد السخاوی اپنی کتاب "المقاصد الحسنہ" میں اس حدیث مبارک کو موقوف اور حسن قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "وھو موقوف حسن" یعنی یہ حدیث مبارک موقوف اور حسن ہے۔

(کشف الخفاء، جلد2، صفحہ221، المکتبۃ العصریۃ)(المقاصد الحسنۃ، صفحہ581، دار الکتاب العربي، بیروت)

علامہ ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی اپنی کتاب "الأمالي المطلقة" اور "الدراية في تخريج أحاديث الهداية" میں اس حدیث مبارک کے حسن ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں: "هذا حَدِيث حسن" یعنی یہ حدیث حسن ہے۔

(الأمالي المطلقة، صفحہ65، المكتب الإسلامي، بیروت)(الدراية في تخريج أحاديث الهداية، جلد2، صفحہ187، بیروت)

www.dawateislami.net

علامہ ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:"حدیث ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن لم اجدہ مرفوعا وأخرجہ احمد موقوفا علی ابن مسعود بإسناد حسن "یعنی:حدیث:"ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن" کو میں نے مرفوع نہیں پایا اور اسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً سندِ حسن کے ساتھ تخریج کیا ہے۔ (الدراية في تخريج أحاديث الهداية، جلد2، صفحہ187، دار المعرفة، بيروت)

علامہ اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی الجراحی العجلونی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:"وقال الحافظ ابن عبد الهادي روي مرفوعًا عن أنس بإسناد ساقط، والأصح وقفه على ابن مسعود "یعنی:حافظ ابن عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ روایت سند ساقط کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے اور اصح یہ ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

(كشف الخفاء، جلد2، صفحہ221، المكتبة العصرية)

علامہ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:"وَلَمْ أَجِدْهُ إِلَّا مَوْقُوفًا عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ "یعنی:میں نے اس روایت کو صرف حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہی پایا ہے۔

(نصب الراية، جلد4، صفحہ133، مؤسسة الريان للطباعة والنشر، بيروت)

علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں علامہ علائی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:"وأصلها قوله عليه الصلاة والسلام :"ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن" قال العلائي: لم أجده مرفوعا في شيء من كتب الحديث

www.dawateislami.net

أصلا، ولا بسند ضعيف بعد طول البحث، وكثرة الكشف والسؤال، وإنما هو من قول عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه مرفوعا عليه أخرجه أحمد في مسنده "یعنی: اس قاعدے کی اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: جسے مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے، علامہ علائی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: بہت زیادہ تلاش و جستجو اور بحث کے بعد بھی اس روایت کو میں نے کسی بھی حدیث کی کتاب میں سند صحیح یا ضعیف کے ساتھ مرفوع نہیں پایا کہ یہ صرف حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، جو ان تک ہی پہنچتا ہے، جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں تخریج کیا ہے۔

(الأشباه والنظائر لابن نجيم، صفحه 79، دار الكتب العلمية، بيروت)

علامہ ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "قال عليه الصلوٰة والسلام: ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن: ذكر هذا دليلا على أن المسلمين إذا أجمعوا على أمر يكون هذا مقبولا، لأن كل ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن. ولكن رفع هذا الحديث إلى النبي صلى الله عليه وسلم غير صحيح، وإنما هو موقوف على ابن مسعود رضى الله عنه رواه أحمد في مسنده "یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جسے مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے، انہوں نے اس روایت کو اس بات پر دلیل دیتے ہوئے ذکر کیا کہ جب مسلمان کسی معاملے پر اجماع کر لیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے، کیونکہ جسے مسلمان اچھا خیال کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے، لیکن اس روایت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع بتانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

(البناية شرح الهداية، جلد 10، صفحه 276، دار الكتب العلمية، بيروت)

www.dawateislami.net

لہذا بعض کتب فقہ میں اس روایت کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بتایا گیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ بعض نے اسے مرفوع قرار دیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں، بلکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور پھر اس امت کی فضیلت بڑے احسن انداز سے بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ نیز اس روایت میں امت کو ایک قانون اور ضابطہ عطا کیا گیا جس سے بہت سے مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔

چونکہ روایت کا ابتدائی حصہ فضیلت اور آخری حصہ ایک ضابطے اور قانون پر مشتمل ہے، تو ذیل میں پہلے روایت کے ابتدائی حصے پر اور پھر روایت کے آخری حصے پر کلام کیا جائے گا۔

(إن اللہ نظر في قلوب العباد، فوجد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیر قلوب العباد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مخلوق پر فضیلت اور وجہ فضیلت

اس روایت کے ابتدائی حصے میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت بیان فرمائی: اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں دیکھا، تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلبِ اطہر بندوں کے دلوں سے سب سے بہتر پایا، پھر انہیں اپنی ذات کے لیے چُن لیا اور انہیں اپنی رسالت کے لیے مبعوث فرمایا۔

تمام مخلوق میں سب سے افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے، جس پر قرآن و حدیث کی متعدد نصوص شاہد ہیں۔ اس روایت میں اس فضیلت و عظمت کا سبب بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل چونکہ تمام مخلوق کے دلوں سے بہتر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ذات کے لیے چُن لیا اور رسالت کے اعلیٰ منصب پر فائز فرمایا۔

اور یہ روایت گویا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ **: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔** کی تفسیر ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے کہ اسے یہ شرفِ عظیم عطا فرمائے اور اسے بھی خوب جانتا ہے جو اس کا مستحق نہیں۔ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں شیخ الحدیث و التفسیر مفتی محمد قاسم عطاری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: ''یعنی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ رسالت کا مستحق کون ہے کہ اسے یہ شرفِ عظیم عطا فرمائے اور اسے بھی خوب جانتا ہے جو اس کا مستحق نہیں اور اے کفارِ مکہ! تم اس لائق ہی نہیں کہ تمہیں نبوت جیسے عظیم مرتبہ سے نوازا جائے اور نہ ہی نبوت مطالبہ کرنے پر ملتی ہے، خصوصاً وہ شخص کہ جو حسد، دھوکہ، بدعہدی وغیرہ بُرے افعال اور گھٹیا اوصاف میں مبتلا ہو، نبوت جیسے منصبِ عالی کے لائق کیسے ہو سکتا ہے۔'' (صراط الجنان، جلد3، صفحہ203، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إن الله اصطفى كنانة من ولد إسماعيل، واصطفى قريشا من كنانة، واصطفى من قريش بني هاشم، واصطفاني من بني هاشم''یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔

(صحیح مسلم، باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد4، صفحہ1782، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)

صحابہ کرام کی تمام امت پر فضیلت اور وجہ فضیلت

اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کے بعد صحابہ کرام علیہم

www.dawateislami.net

الرضوان کی عظمت بیان کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (غیر انبیاء) میں سب سے اچھے دل والے صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر بنایا ہے اور ان کی شان یہ ہے کہ یہ دین کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، یہاں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا تقوی و پرہیز گاری اور دینی حمیت بیان فرمائی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اسی طرح کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی بیان فرمائی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾ ترجمۂ کنزُ العِرفان: ”محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت، آپس میں نرم دل ہیں۔ تُو انہیں رکوع کرتے ہوئے، سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا، اللہ کا فضل و رضا چاہتے ہیں۔“

(پارہ26، سورۃ الفتح، آیت29)

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شان میں کہے گئے الفاظ کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إن الله تبارک وتعالى اختارني واختار لي أصحابا فجعل لي منهم وزراء وأنصارا وأصهارا، فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين لايقبل منه يوم القيامة صرف ولا عدل“ یعنی: اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے چنا اور میرے لیے صحابہ کو چنا اور ان صحابہ میں سے بعض کو میرا وزیر، مددگار اور سسرالی رشتہ دار بنایا، تو جو صحابہ کو گالی دے اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اور قیامت والے دن ایسے شخص کا نہ فرض قبول ہوگا اور نہ ہی نفل۔

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، جلد3، صفحہ732، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

www.dawateislami.net

اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظیم جماعت جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و قرب میں جمع فرمایا یہ ایک حادثاتی عمل نہ تھا، بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا خصوصی انتخاب تھا۔

مدارِ فضیلت و ترجیح دل ہی کیوں؟

جب ایک چیز کو دوسری پر فضیلت دی جاتی ہے، تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی افضیلت کی اگرچہ کئی وجوہات ہیں، لیکن یہاں دل کی عمدگی کو مدارِ ترجیح قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دل وہ ربانی لطیفہ (یعنی حقائق واسرار کی معرفت کا محل) ہے، جو اللہ عزوجل کی معرفت رکھتا ہے اور اس کا اِدراک کرنے والا ہوتا ہے اور یہی حقیقتِ انسان ہے، اسی کو خطاب ہوتا ہے اور یہی بدن انسانی کا بادشاہ ہے اور تمام بدن اسی دل کے تابع ہے اور یہ دل عقل و فہم، قصد و اختیار اور رضا و انکار کا محل ہے اور اعمال صالحہ و غیر صالحہ، ظاہری و باطنی تقوی و پرہیز گاری کا تعلق بھی اسی دل کی حالت پر موقوف ہے، اس لیے دل کی عمدگی کو مدار ترجیح قرار دیا ہے۔

چنانچہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی علیہ رحمۃ اللہ الوالی قلب یعنی دل کے معانی و مطالب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ”یہ ایک روحانی ربانی لطیفہ (یعنی حقائق واسرار کی معرفت کا محل) ہے اور اس کا جسمانی قلب سے تعلق ہوتا ہے اور یہی لطیفہ اللہ عزوجل کی معرفت رکھتا ہے اور اس چیز کا اِدراک کرنے والا ہوتا ہے، جسے خیال و وہم نہیں سمجھ سکتے اور یہی حقیقتِ انسان ہے، اسی کو خطاب ہوتا ہے۔“ (لباب الاحیاء (مترجم)، صفحہ 195، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

یونہی امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن قلب یعنی دل کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ”قلب وہ عضو ہے کہ سلطان اقلیم بدن و محل عقل و فہم و منشا قصد

www.dawateislami.net

واختیار ورضا وانکار ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ76، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

اعمال صالحہ وغیر صالحہ، ظاہری وباطنی تقوی وپرہیز گاری کا تعلق دل کی حالت پر موقوف ہے اس بارے میں بخاری شریف کی حدیث مبارک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب "یعنی بدن میں ایک پارہ گوشت ہے کہ وہ ٹھیک ہے، تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور وہ بگڑ جائے، تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے، سن لو! وہ دل ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبراء لدینه، جلد1، صفحہ31، مطبوعہ کراچی)

(مارأی المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، ومارأوا سیئا فهو عند الله سیئ)

روایت کا یہ حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی فضیلت وعظمت کے بیان میں بڑا واضح ہے کہ فرمایا:"جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہو گی" اس امت کی رائے کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا قدر ومنزلت ہے؟ اس روایت سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

عامۃ المسلمین کی رائے اللہ تعالیٰ کے ہاں کیوں مقبول ہے

اس امت کے علماء، صلحاء اور عام مسلمانوں کے نزدیک کسی شے کا جائز ومستحسن (پسندیدہ) ہونا، اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی جائز ومستحسن ہے اور یہ کیوں نہ ہو کہ اس امت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

- "إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ" میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

(سنن ابن ماجه، جلد2، صفحہ1303، دار إحیاء الکتب العربیه)

- "إِنَّ يَدَ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ" جماعت پر اللہ کا دستِ تائید ونصرت ہے۔

(سنن النسائي، جلد7، صفحہ92، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب)

www.dawateislami.net

- ”عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَالْعَامَّۃِ“ اے ایمان والو! تم پر جماعت اور عوام مسلمانوں کا ساتھ لازم ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل، جلد36، صفحہ421، مؤسسۃ الرسالہ)
- ”اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ“ اے ایمان والو! بڑے گروہ کی پیروی کرو۔

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، جلد1، صفحہ199، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اصول کی تائید ایک دوسری روایت سے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ کی تائید حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے: ”مروا بجنازة، فأثنوا عليها خيرا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: وجبت، ثم مروا بأخرى فأثنوا عليها شرا، فقال: وجبت، فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: ما وجبت؟ قال: هذا أثنيتم عليه خيرا، فوجبت له الجنة، وهذا أثنيتم عليه شرا، فوجبت له النار، أنتم شهداء الله في الأرض“ یعنی: کچھ لوگ ایک جنازہ لے کر گزرے، تو لوگوں نے اس میت کو اچھا بتایا، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”وَجَبَتْ“ (واجب ہوگئی) پھر ایک دوسرا جنازہ گزرا، تو لوگوں نے اس میت کو بُرا بتایا، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”وَجَبَتْ“ (واجب ہوگئی) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، کیا چیز واجب ہوگئی؟ یارسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس میت کو تم لوگوں نے اچھا بتایا، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جسے تم لوگوں نے برا بتایا، تو اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی، کیونکہ تم (مومنین صالحین) روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ثناء الناس علی المیت، جلد2، صفحہ97، دار طوق النجاۃ)

مذکورہ حدیث مبارک میں اس بات کا بیان ہے کہ جسے مسلمانوں نے اچھا جانا، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ٹھہرا اور جسے مسلمانوں نے بُرا جانا، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بُرا قرار پایا۔

www.dawateislami.net

احکام شرعیہ کو پرکھنے کا اصول

اور اس روایت سے اس امت کی فضیلت تو معلوم ہوتی ہے، لیکن ساتھ ہی احکام دینیہ میں کثیر مسائل کے درست وغلط ہونے کا کیا معیار ہے؟ اور انہیں کس اصول پہ پرکھا جاسکتا ہے؟ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔

اور وہ معیار اور اصول یہ ہے کہ: جسے لوگ اچھا جانیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہوگا اور جسے لوگ برا جانیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی برا ہوگا۔

اس اصول و قانون میں چونکہ رائے کا ذکر ہے، تو ادلہ شرعیہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن وحدیث میں صراحت سے بیان کردہ مسائل میں رائے کا عمل دخل نہیں ہوتا، وہاں آیت و حدیث ہی کافی ہے، ہاں تعامل و استحسانِ مسلمین بطورِ تائید کے پیش کیے جاسکتے ہیں اور بالفرض اگر کسی عمل کا جائز ہونا یا اچھا ہونا نص سے ثابت ہے، تو لوگوں کے اچھا نہ جاننے سے اس چیز کے جائز ہونے میں فرق نہیں آئے گا، یونہی اس کے برعکس ہے۔ البتہ یہ خیال رہے کہ عامۃ المسلمین کی رائے نص کے خلاف نہیں ہوسکتی۔

اور وہ عمل جو نص سے ثابت ہو تو اس عمل کے اثبات میں اس روایت کو پیش کرنے کی حاجت نہیں، ہاں البتہ مزید تائید کے طور پر اس کو پیش کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ امام اہلسنت سے سوال ہوا کہ: ناک چھیدنا اہلسنت وجماعت کے نزدیک فرض، واجب، سنت، مستحب ہے یا کیا؟ اور اس نتھ چھیدنے کو "ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن" پر حمل کرسکتے ہیں یا نہیں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا: "جب کہ یہ امر خود زیور ہائے گوش کے لئے کان چھیدنے سے کہ خاص زمانہ اقدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں رائج تھا اور حضور پر نور صلوات اللہ و سلامہ علیہ نے جائز و مقرر رکھا بحکم دلالت ثابت، تو اس کے لیے اثر "ما راٰہ

www.dawateislami.net

المسلمون" کی طرف رجوع کی حاجت نہیں فان الثابت بدلالۃ النص کالثابت بالنص"

(فتاوی رضویہ، جلد23، صفحہ483، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

قوانین فقہیہ کا استنباط

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ اس اصول کا معتبر و مستند اور مسلّم ہونا، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قواعدِ فقہیہ کے ماہر علماء و فقہاء نے اس سے باقاعدہ استدلال کیا۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

پہلی مثال: علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں فقہ کا مشہور قاعدہ: "العادۃ محکمۃ" ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس قاعدے کی اصل حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ہے: "مَارَآہُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَاللّٰہِ حَسَنٌ"

چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں لکھتے ہیں:

"الْقَاعِدَۃُ السَّادِسَۃُ:الْعَادَۃُ مُحکمَۃٌوَأَصْلُھَا قَوْلُہُ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ :"مَا رَآہُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللہ حَسَنٌ" یعنی چھٹا قاعدہ (یہ ہے کہ) عادت فیصلہ کن چیز ہے اور اس قاعدے کی اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: جسے مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(الأشباہ والنظائر لابن نجیم، صفحہ79، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

دوسری مثال: علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں انسان کے زندگی میں اپنے لیے قبر تیار کرنے پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے یہ قاعدہ اور اصول بیان کیا کہ: کسی عمل کا کرنا صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت نہ ہونا، اس عمل کے ناجائز ہونے کو لازم نہیں، کیونکہ جس عمل کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے خصوصا اس صورت میں کہ جب وہ عمل نیک لوگ بھی کر رہے ہوں۔

www.dawateislami.net

چنانچہ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری “میں لکھتے ہیں:”قَالَ ابْن بطال: قد حفر جمَاعَة من الصَّالِحين قُبُورهم قبل الْمَوْت بِأَيْدِيهِم ليتمثلوا حُلُول الْمَوْت فِيهِ، ورد عَلَيْهِ بَعضهم بِأَن ذَلِك لم يَقع من أحد من الصَّحَابَة، وَلَو كَانَ مُسْتَحبا لكثر فيهم. قلت: لَا يلْزم من عدم وُقُوعه من أحد من الصَّحَابَة عدم جَوَازه، لِأَن مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ حسنا فَهُوَ عِنْد الله حسن، وَلَا سِيمَا إِذا فعله قوم من الصلحاء الأخيار “یعنی: ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صالحین کی ایک جماعت نے اپنی موت سے پہلے اپنی قبریں بنائی ہیں، تاکہ وہ اس سے موت آنے کا تصور قائم رکھیں، بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ کسی ایک صحابی نے بھی اپنی زندگی میں اپنی قبر نہیں بنائی، اگر زندگی میں قبر بنانا مستحب ہوتا، تو صحابہ میں اس عمل کی کثرت پائی جاتی (حالانکہ ایسا نہیں ہے)، تو (جواباً) میں یہ کہتا ہوں کہ اس عمل کا کسی صحابی سے واقع نہ ہونا، اس عمل کے ناجائز ہونے کو لازم نہیں، کیونکہ جس چیز کو ایمان والے اچھا خیال کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے اور خصوصاً جبکہ وہ کام کرنے والے لوگ بہترین صلحاء میں سے ہوں۔

(عمدۃ القاري شرح صحيح البخاري، جلد8، صفحہ61، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

کن مسلمانوں کی رائے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے؟

رہی یہ بات کہ اس روایت میں جو کہا گیا ہے کہ:” جسے مسلمان اچھا سمجھیں “تو اس میں **رائے** سے کن افراد کی رائے مراد ہے؟ تو اس سے کتاب و سنت کا علم رکھنے والے علماء اور شبہات سے اپنے آپ کو بچانے والے نیک لوگوں کی رائے ہی مراد ہے، جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:” قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ۔ وَالْمُرَادُ بِالْمُسْلِمِينَ زُبْدَتُهُمْ وَعُمْدَتُهُمْ، وَهُمُ الْعُلَمَاءُ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ،

www.dawateislami.net

اَلْأَتْقِيَاءُ عَنِ الْحَرَامِ وَالشُّبْهَةِ، جَعَلَنَا اللہ مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ" ترجمہ: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور یہاں مسلمانوں سے مراد ان کے بہترین اور عمدہ لوگ ہیں اور یہ بہترین اور عمدہ لوگ کتاب و سنت کا علم رکھنے والے علماء اور حرام اور شبہات سے بچنے والے لوگ ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد3، صفحہ1032، دار الفکر، بیروت)

جاہل اور شبہات میں پڑنے والے کی رائے یہاں اس وجہ سے مراد نہیں کہ جاہل اپنی رائے کے قرآن و حدیث کے مطابق ہونے اور نہ ہونے کا فہم نہیں رکھتا اور شبہات میں پڑنے والا اپنی رائے کو حرام سے نہیں بچا سکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من وقع في الشبهات وقع في الحرام" جو آدمی شبہات میں پڑا وہ حرام میں پڑ گیا۔

(صحیح مسلم، جلد3، صفحہ1219، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

محدثین و فقہاء نے عموماً اس روایت سے بدعت حسنہ کے جائز ہونے، اجماع کے حجت ہونے اور عرف و تعامل کے شریعت میں معتبر ہونے کو ثابت کیا ہے، فقہاء و محدثین نے اس روایت کے تناظر میں جو کلام کیا ہے، اب وہ ذکر کیا جاتا ہے۔

بدعت حسنہ اور مسلمانوں کی پسند، ناپسند

بدعت کے لغوی معنی ہیں: نئی چیز یا طریقہ ایجاد کرنا، نیا بنانا، وغیرہ اور شرعی طور پر بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں نہ تھا، بعد میں کسی نے اس کو شروع کیا، اب اگر یہ کام شریعت سے ٹکراتا ہے، تو اس بدعت کو بدعت سیئہ یعنی بُری بدعت کہتے ہیں۔ اسی کے بارے میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ مردود ہے" اور وہ نیا کام جو قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہے، اس کو بدعت حسنہ یعنی اچھی بدعت کہتے ہیں اور یہ

www.dawateislami.net

نیا کام جو قرآن وسنت کے خلاف نہیں، اسے اگر مسلمان اچھا جانے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہو گا اور بدعتِ اصطلاحی جو بہر صورت مذموم ہے، اس کی تعریف یہ ہے کہ جو قرآن، سنت اور قواعدِ شرعیہ کے خلاف ہو، جیسا کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے درج ذیل کلام سے ظاہر ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بدعت کا معنی مفہوم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"(وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ) أَيْ: كُلُّ بِدْعَةٍ سَيِّئَةٍ ضَلَالَةٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ قَالَ النَّوَوِيُّ: اَلْبِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عُمِلَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ، وَفِي الشَّرْعِ إِحْدَاثُ مَا لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ..... قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: مَا أُحْدِثَ مِمَّا يُخَالِفُ الْكِتَابَ أَوِ السُّنَّةَ أَوِ الْأَثَرَ أَوِ الْإِجْمَاعَ فَهُوَ ضَلَالَةٌ، وَمَا أُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ مِمَّا لَا يُخَالِفُ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَلَيْسَ بِمَذْمُومٍ، وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ: نِعْمَتُ الْبِدْعَةُ... وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ: مَا رَأَوْهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ. وَفِي حَدِيثٍ مَرْفُوعٍ: لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ "ترجمہ: ہر بدعت گمراہی ہے یعنی ہر بُری بدعت گمراہی ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا، اسے اس کا اجر ملے گا اور پھر جو اس نئی اچھی چیز پر عمل کرے گا اس کا اجر بھی اسے ملے گا ۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بدعت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو سابقہ مثال کے بغیر کی جائے اور شریعت میں اس کا معنی یہ ہے کہ: اس چیز کو ایجاد کرنا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظاہری حیات میں نہ ہو..... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: وہ نئی چیز جو کتاب اللہ، سنت رسول، اثر یا اجماع میں سے کسی ایک کے مخالف ہو، تو وہ نئی چیز گمراہی ہے اور وہ نئی چیز ان میں سے کسی ایک کے بھی مخالف نہ ہو، وہ مذموم نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رمضان کے قیام

www.dawateislami.net

یعنی تراویح کے بارے میں فرمایا کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور حدیث مرفوع میں ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد1، صفحہ223، دار الفکر، بیروت)

یونہی مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مراۃ المناجیح میں بدعت پر کلام کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "یعنی ہمیشہ وہ عقیدے اختیار کرو جو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ہوں۔ یہ حدیث منصوص اور غیر منصوص سارے احکام کو شامل ہے۔ آیات و احادیث کے جو معنی مسلمانوں کی بڑی جماعت نے سمجھے ہیں وہی حق ہیں۔ آج اگر کوئی نئے معنے بتائے، تو جھوٹا ہے۔ خاتم النبیین کے معنے آخری نبی صلوٰۃ و زکوۃ کے معنی مروجہ نماز اور صدقہ ہیں۔ جو کہے کہ خاتم النبیین کے معنی اصلی نبی، صلوٰۃ و زکوۃ سے کچھ اور مراد لے یہ غلط ہے، ایسے ہی مسلمانوں کا بڑا گروہ میلاد، فاتحہ، عرس وغیرہ کو اچھا سمجھتا ہے، واقعی یہ کام اچھے ہیں، اگر کچھ لوگ انہیں حرام کہیں، جھوٹے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: "جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔" رب فرماتا ہے: ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ حضور فرماتے ہیں: "تم زمین میں اللہ کے گواہ رہو۔" یہ سب حدیثیں اسی مشکوٰۃ شریف میں آئیں گی۔ لہذا جس کام کو عام علماء، صلحاء اور عوام مسلمین اچھا جانیں وہ اچھا ہی ہے۔ (مراۃ المناجیح، جلد1، صفحہ171، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

ذیل میں بدعت حسنہ کی چند ایسی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جنہیں محدثین و فقہاء نے مذکورہ روایت کو دلیل بناتے ہوئے اس عمل کے اچھا ہونے اور درست ہونے کا قول کیا ہے۔

خطبہ جمعہ میں ایک آیت مبارکہ کا اضافہ

بنو امیہ کے بعض حکمرانوں (مثلاً مروان، حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی

www.dawateislami.net

وغیرہ) کی جانب سے جب جمعہ کے خطبات میں معاذاللہ عزوجل اہل بیت اطہار کو بُرا کہا جانے لگا ،تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بیت کو بُرا کہنے سے روکتے ہوئے اس کی جگہ خطبہ جمعہ کے آخر میں اس آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَیَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ کا اضافہ فرمایا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا عمل کتنا اچھا ہے اور یہ عمل بدعت حسنہ ہے اور اس کے اچھے ہونے پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان: "مَارَآهُ المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ "بطور دلیل کے نقل بھی کیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے خطبہ جمعہ میں آیت مبارکہ کا اضافہ کرنے کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "وَمَا أَحْسَنَ فِعْلَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَيْثُ جَعَلَ مَكَانَ سَبِّ أَهْلِ الْبَيْتِ الصَّادِرِ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ فَوْقَ الْمَنَابِرِ هَذِهِ الْآيَةَ الشَّرِيفَةَ فِي آخِرِ الْخُطْبَةِ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَیَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (سورۃ النحل، آیت 90) فَهَذِهِ هِيَ الْبِدْعَةُ الْحَسَنَةُ، بَلِ السُّنَّةُ الْمُسْتَحْسَنَةُ، كَمَا قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ. وَالْمُرَادُ بِالْمُسْلِمِينَ زُبْدَتُهُمْ وَعُمْدَتُهُمْ، وَهُمُ الْعُلَمَاءُ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، اَلْأَتْقِيَاءُ عَنِ الْحَرَامِ وَالشُّبْهَةِ، جَعَلَنَا اللهُ مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ "یعنی: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا یہ عمل کتنا اچھا ہے کہ ان سے پہلے بنو امیہ کے بعض حکمرانوں (مثلاً مروان، حجاج بن یوسف کا بھائی محمد بن یوسف ثقفی، جعفر متوکل بن محمد معتصم بن رشید، حریز وغیرہ) کی جانب سے منبروں پر خطبہ جمعہ میں اہل بیت اطہار کو

www.dawateislami.net

جو بُرا کہا جاتا تھا، اسے ختم کروا کر اس کی جگہ اس آیت: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَ یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ کا اضافہ فرما دیا، تو عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بدعت حسنہ، بلکہ سنتِ مستحبہ یعنی پسندیدہ طریقہ ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ”جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔“

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، جلد3، صفحہ1032، دار الفکر، بیروت)

طواف وداع کے بعد کعبہ معظمہ کو دیکھتے ہوئے اور روتے ہوئے الٹے پاؤں پلٹنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے طواف وداع کے بعد کعبہ معظمہ کو دیکھتے ہوئے اور روتے ہوئے الٹے پاؤں پلٹنا، اگرچہ سنت سے ثابت نہیں، لیکن علماء نے کعبہ معظمہ کے جلال و ہیبت اور ادب کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اسے مستحب لکھا ہے اور اس عمل کی ترغیب دی ہے، باوجود اس کے کہ یہ بدعت ہے، لیکن یہ بدعت حسنہ ہے کہ یہ نہ تو قرآن و سنت کے مخالف ہے اور نہ ہی اس سے کسی سنت کا ترک لازم آتا ہے اور ملا علی قاری اور مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہما نے اس عمل کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے اور اس کے اچھے ہونے پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان: ”ما رأه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ“ بطور دلیل کے نقل بھی کیا ہے۔

علامہ عبد الرحمن شیخی زادہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر“ میں طواف وداع کرنے والے کو بیت اللہ سے جدائی کے وقت کیا عمل کرنا چاہئے؟ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ”(ویدعو) حال كونه (مجتهدا) فإنه موضع الإجابة (ويبكي) أو يتباكى متحسرا على فراق البيت قائلا: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك

www.dawateislami.net

وله الحمد وهو على كل شيء قدير آيبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعده (ويرجع) من المسجد (القهقرى) رجوعا إلى خلف ناظرا إلى البيت (حتى يخرج من المسجد) هذا بيان للمستحب "یعنی: کعبہ معظمہ سے جدائی کے وقت اپنے آپ کو تھکاتے ہوئے، عاجزی کے ساتھ روتے ہوئے دعا کرے کہ یہ قبولیت کا مقام ہے یا بیت اللہ کی جدائی پر حسرت کرتے ہوئے رونے جیسی صورت بنائے اور دعا میں یہ کہے کہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے، رب کی طرف رجوع کرنے، توبہ کرنے، عبادت کرنے، سجدہ کرنے اور حمد کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا ہے اور پھر اس کے بعد بیت اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے الٹے پاؤں لوٹے، یہاں تک کہ مسجد سے نکل جائے، یہ مستحب کا بیان ہے۔ (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، جلد1، صفحہ283، دار إحياء التراث العربي)

کعبۃ اللہ سے جدائی کے وقت الٹے پاؤں مسجد حرام سے باہر آنے کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "وَأَمَّا الْقَهْقَرَى وَإِنْ كَانَتْ بِدْعَةً إِلَّا أَنَّهَا لَا تُزَاحِمُ سُنَّةً، وَلَا تَدْفَعُهَا مَرَّةً فَهِيَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ. وَقَدْ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: بَلْ رَفَعَهُ أَنَّ مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ "یعنی: حاجی کا طواف وداع کے بعد الٹے پاؤں مسجد حرام سے باہر نکلنا، اگرچہ بدعت ہے، لیکن یہ ایسی بدعت ہے جو نہ تو کسی سنت کے مخالف ہے اور نہ ہی یہ کوئی سنت ختم کرنے والی ہے، تو یہ بدعت حسنہ ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہے۔ (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، جلد5، صفحہ1868، دار الفكر، بيروت)

یونہی مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "علماء

www.dawateislami.net

فرماتے ہیں کہ حاجی طواف وداع کر کے جب چلے تو کعبہ معظمہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھے اور کچھ کلمات وداعیہ بھی منہ سے نکالے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات حج وداع میں کعبہ معظمہ سے رخصت ہوتے وقت فرمائے اور باب الوداع سے نکلے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف سے روانہ ہوئے تھے، بلکہ اس وقت الٹے پاؤں کعبہ معظمہ کو دیکھتا ہوا روتا ہوا چلے کہ اگرچہ یہ عمل بدعت ہے، مگر بدعت حسنہ ہے اور سیدنا ابن مسعود مرفوعًا فرماتے ہیں کہ جسے مسلمان اچھا سمجھیں، وہ شے اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔"

(مراۃ المناجیح، جلد4، صفحہ205، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

قبر کی حفاظت کے لیے قبر کی کوہان کو کچی اینٹوں سے بنانا

قبر کی حفاظت کے لیے قبر کی کوہان پر کچی اینٹیں لگانا سنت سے ثابت نہیں، بلکہ سنت سے قبر پر مٹی ڈال کر کچا چھوڑ دینا ثابت ہے، لیکن علماء نے قبر کی حفاظت کی خاطر قبر کی کوہان کو کچی اینٹوں سے بنانے کی اجازت دی ہے اور اسے لوگوں کے اچھا جاننے کی وجہ سے اچھا قرار دیا ہے اور اس کے اچھے ہونے پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان: "ما رأه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ" بطور دلیل نقل بھی کیا۔

قبر کی حفاظت کے لیے قبر کی کوہان پر کچی اینٹیں لگانے کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "اليوم اعتادوا التسنيم باللبن صيانة للقبر عن النبش، ورأوا ذلك حسنا. وقال صلى الله عليه وسلم: ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن" یعنی: موجودہ زمانہ میں قبر کھودنے سے بچانے کے لیے قبر کی کوہان پر کچی اینٹیں لگانے کی لوگوں کی عادت ہے اور لوگ اسے اچھا خیال کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان جس چیز کو اچھا خیال کریں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

www.dawateislami.net

(الدرالمختار وحاشیۃ ابن عابدین، جلد2، صفحہ237، دارالفکر، بیروت)

یونہی علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ علامہ تمر تاشی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:"قال التمرتاشي: هذا إذا كان حول الميت، فإن كان فوقه لا يكره لأنه يكون عصمة من السبع، وهذا كما اعتادوا التسنيم باللبن صيانة عن النبش ورأوا ذلك حسنا. "یعنی: امام تمر تاشی فرماتے ہیں: آگ میں پکی ہوئی اینٹ کی ممانعت تب ہے جب اسے میت کے ارد گرد لگایا جائے کہ اگر یہ قبر کے اوپر ہو تو پکی اینٹ لگانا مکروہ نہیں، کیونکہ اس میں درندوں سے حفاظت ہے اور اسی طرح یہ بھی مکروہ نہیں کہ جو قبر کھودنے سے بچانے کے لیے قبر کی کوہان پر کچی اینٹیں لگانے کی لوگوں کی عادت ہے اور لوگ اسے اچھا خیال کرتے ہیں۔ (البنایۃ شرح الھدایہ، جلد3، صفحہ256، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

فجر کے علاوہ بقیہ نمازوں میں تثویب کہنا (اذان کے بعد جماعت سے پہلے، جماعت کی اطلاع دینا)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ظاہری زمانہ میں صرف فجر کے وقت میں تثویب کہی جاتی تھی، کسی اور وقت میں تثویب نہیں کہی جاتی تھی اور تثویب کے لیے یہ الفاظ "اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" ادا کیے جاتے تھے، لیکن جب لوگوں میں غفلت عام ہوگئی اور نماز میں سستی زیادہ ہوگئی، تو متاخرین فقہاء نے علاوہ مغرب کے دیگر نمازوں میں بھی تثویب کو مستحب قرار دیا اور تثویب کے لیے اس شہر میں جن لفظوں کے ساتھ تثویب کہتے ہوں، ان لفظوں سے تثویب کہنے کو مستحب قرار دیا اور اس عمل کو اچھا جانا اور اس عمل کے درست ہونے اور اچھے ہونے پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان:"ما رآه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ "بطور دلیل نقل کیا ہے۔

احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوي رحمۃ اللہ علیہ فجر کے علاوہ نمازوں میں تثویب کے

www.dawateislami.net

متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ”في جميع الأوقات استحسنه المتأخرون وقد روى احمد في السنن والبزار وغيرهما باسناد حسن موقوفا على ابن مسعود ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن ولم يكن في زمنه صلى الله عليه وسلم ولا في زمن أصحابه إلا ما أمر به بلال أن يجعله في أذان الفجر“ یعنی: نمازوں کے تمام اوقات میں متاخرین نے تثویب کو مستحب قرار دیا ہے اور امام احمد بن حنبل سے سنن اور بزار میں اور ان دونوں کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ مسلمان جسے اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانہ میں تثویب تو صرف اس قدر تھی جس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فجر کی اذان میں بڑھانے کا حکم دیا تھا۔

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، صفحہ198، دار الكتب العلمية، بيروت)

علامہ اکمل الدین محمد بن محمد بابرتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”عنایہ شرح ہدایہ“ میں تثویب پر کلام کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ”أَنَّ التَّثْوِيبَ الْأَصْلِيَّ كَانَ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ لَا غَيْرُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ أَوْ بَعْدَ أَذَانِ الْفَجْرِ، فَأَحْدَثَ عُلَمَاءُ الْكُوفَةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ فِي الْفَجْرِ خَاصَّةً مَعَ إبْقَاءِ الْأَوَّلِ، وَأَحْدَثَ الْمُتَأَخِّرُونَ التَّثْوِيبَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ عَلَى حَسَبِ مَا تَعَارَفُوهُ فِي جَمِيعِ الصَّلَوَاتِ سِوَى الْمَغْرِبِ مَعَ إبْقَاءِ الْأَوَّلِ، وَمَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ“ یعنی: اذان فجر میں یا اذان فجر کے بعد اصلی تثویب کے الفاظ ”اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ“ کے ہی ہیں، علمائے کوفہ نے فجر میں اصلی الفاظ کو باقی رکھتے ہوئے اذان و اقامت کے درمیان ”حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ“ کے الفاظ ایجاد فرمائے اور متاخرین علماء نے

www.dawateislami.net

مغرب کے علاوہ دیگر نمازوں میں اذان و اقامت کے درمیان وہاں کے عُرف کے مطابق الفاظ کے ساتھ تثویب کو ایجاد کیا ہے کہ جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ (العنایۃ شرح الھدایۃ، جلد1، صفحہ246، دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فجر کے علاوہ نمازوں میں تثویب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ”أي كل الصلوات لظهور التواني في الأمور الدينية. قال في العناية: أحدث المتأخرون التثويب بين الأذان والإقامة على حسب ما تعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب مع إبقاء الأول يعني الأصل وهو تثويب الفجر وما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن “یعنی: امورِ دینیہ میں سستی عام ہونے کی وجہ سے تمام نمازوں میں تثویب درست ہے، عنایہ میں یہ فرمایا ہے کہ متاخرین علماء نے اصل تثویب کو باقی رکھتے ہوئے مغرب کے علاوہ دیگر نماز میں اذان و اقامت کے درمیان وہاں کے عرف کے مطابق الفاظ کے ساتھ تثویب کو ایجاد کیا ہے کہ جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ (الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین، جلد1، صفحہ389، دار الفکر، بیروت)

اعضائے وضو، ناک صاف کرنے اور پسینہ صاف کرنے کے لیے اپنے ساتھ رومال رکھنا

اعضائے وضو، ناک صاف کرنے اور پسینہ صاف کرنے کے لیے اپنے ساتھ رومال رکھنا، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین سے ثابت نہیں، لیکن اب چونکہ مسلمانوں کے ہاں اس کا رواج ہے اور ان کاموں کے لیے کپڑا وغیرہ رکھنے کو اچھا خیال کرتے ہیں، اس لیے فقہائے کرام نے ان کاموں کے لیے کپڑا، رومال وغیرہ رکھنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس کے جائز ہونے پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان: ”ما رأه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ “بطور دلیل نقل بھی کیا ہے۔

www.dawateislami.net

ملا خسرو رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب درر الحکام شرح غرر الاحکام میں اعضائے وضو، ناک صاف کرنے اور پسینہ صاف کرنے کے لیے اپنے ساتھ رومال رکھنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ”(وجاز خرقة لوضوء ومخاط ونحوه) لأن المسلمين قد استعملوا في عامة البلد أن مناديل الوضوء والخرق للمخاط ومسح العرق وما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن “یعنی: وضو کا پانی، رینٹھ یا اس طرح دیگر چیزوں کو جسم سے صاف کرنے کے لیے اپنے پاس کپڑے کا ٹکڑا، رکھنا جائز ہے، کیونکہ اکثر شہروں میں مسلمان وضو کا رومال، رینٹھ اور پسینہ صاف کرنے کے لیے کپڑے کے ٹکڑے کا استعمال کرتے ہیں اور مسلمان جسے اچھا خیال کریں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(درر الحکام شرح غرر الأحکام، جلد1، صفحہ313، دار إحیاء الکتب العربیہ)

یونہی علامہ زین الدین ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

”(كالخرقة لوضوء أو مخاط والرتم) يعني لا تكره الخرقة لوضوء ولا الرتم وفي الجامع الصغير يكره حمل الخرقة التي يمسح بها العرق، لأنها بدعة ولم يكن النبي صلى الله عليه وسلم يفعل ذلك ولا أحد من الصحابة ولا من التابعين وإنما كانوا يتمسحون أرديتهم وفيها نوع تجبر والصحيح أنه لا يكره الرتم، لأن عامة المسلمين قد استعملوا في عامة البلدان مناديل للوضوء والخرق لمسح العرق والمخاط ولحمل شيء يحتاج إليه وما رآه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن “یعنی: اعضائے وضو، رینٹھ کو صاف کرنے کے لیے کپڑا رکھنا اور یاد دہانی کے لیے انگلی پر دھاگہ باندھنا (جائز ہے) یعنی وضو کا پانی صاف کرنے کے لیے کپڑا رکھنا مکروہ نہیں اور نہ ہی یاد دہانی کے لیے انگلی پر دھاگہ باندھنا مکروہ ہے اور جامع الصغیر میں یہ ہے کہ اپنے پاس کپڑا رکھنا جس سے پسینہ صاف کیا جائے، یہ مکروہ ہے، کیونکہ یہ بدعت ہے کہ (ان کاموں کے لیے اپنے پاس کپڑا) نہ

www.dawateislami.net

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا، نہ کسی صحابی و تابعی نے رکھا، یہ حضرات تو اپنی چادر سے ہی صاف کر لیا کرتے تھے اور علیحدہ سے اپنے پاس کپڑا رکھنے میں ایک قسم کا تکبر بھی ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یاد دہانی کے لیے انگلی پر دھاگہ باندھنا بھی مکروہ نہیں کہ اکثر شہروں میں عام مسلمان وضو کے لیے رومال اور پسینہ، رینٹھ صاف کرنے کے اور ضرورت پڑنے پر کسی چیز کو اٹھانے کے لئے اپنے پاس کپڑے کا ٹکڑا رکھتے ہیں اور مسلمان جس چیز کو اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، جلد8، صفحہ217، دار الکتاب الإسلامي)

عید کا خطبہ منبر پر دینا

عید کا خطبہ منبر پر دینا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت نہیں، لیکن چونکہ مسلمان اب عید کا خطبہ منبر پر پڑھنے کو اچھا خیال کرتے ہیں، تو فقہائے کرام نے عید کا خطبہ منبر پر پڑھنے کو بدعت حسنہ قرار دیتے ہوئے اسے جائز قرار دیا اور اس کے جائز ہونے پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان: "ما رأه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن" بطور دلیل نقل بھی کیا ہے۔

عید کا خطبہ منبر پر دینے کے بارے میں علامہ ابو المعالي برہان الدین محمود بن احمد رحمۃ اللہ علیہ محیط برہانی میں ارشاد فرماتے ہیں: "قال شيخ الإسلام المعروف بخواهر زاده رحمه الله: وأما في زماننا إخراج المنبر لا بأس به، لأنه رآه المسلمون حسنا وما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن. وروي عن أبي حنيفة رحمه الله أنه قال: إخراج المنبر يوم العيد حسن" یعنی: شیخ الاسلام جنہیں خواہر زادہ کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں عید کے دن عید گاہ میں منبر لے کر جانے میں حرج نہیں، کیونکہ مسلمان اسے اچھا خیال کرتے ہیں اور مسلمان جسے اچھا خیال کریں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے

www.dawateislami.net

اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ عید کے دن عید گاہ میں منبر لے کر جانا اچھا عمل ہے۔

(المحیط البرهاني في الفقه النعماني، جلد2، صفحہ101، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یونہی ملا خسرو رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "درر الحکام شرح غرر الاحکام" میں عید کا خطبہ منبر پر دینے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:" واختلف المشايخ في بناء المنبر في الجبانة قال بعضهم يكره. وقال بعضهم لا يكره وفي نسخة الإمام خواهر زاده هذا حسن في زماننا وعن أبي حنيفة لا بأس." یعنی: صحرا اور کھلے میدان میں عید کے روز منبر بنانے میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ نہیں اور امام خواہر زادہ کے نسخہ میں یہ لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں عید کے روز صحرا یا کھلے میدان میں منبر رکھنا اچھا عمل ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (درر الحکام شرح غرر الأحکام، جلد1، صفحہ142، دار إحیاء الکتب العربیہ)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ عید کا خطبہ منبر پر دینے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:"نماز عید پہلے پڑھتے خطبہ بعد میں، مگر خطبہ عید منبر پر نہ تھا، کیونکہ اس زمانہ میں نہ تو عید گاہ میں منبر بنا، نہ مسجد نبوی سے وہاں پہنچایا گیا، اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ عید گاہ کا منبر بدعت حسنہ ہے۔ (مراۃ المناجیح، جلد2، صفحہ356، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

محافل میلاد، فاتحہ، عرس وغیرہ کا مروجہ طریقہ

محافل میلاد، فاتحہ خوانی اور اعراس کا مروجہ طریقہ (یعنی بزرگان دین کے یوم وفات پر دینی محافل کا انعقاد، مسلمانوں کو کھانا کھلا کر یا کوئی بھی نیکی کا کام کر کے اس کا ایصال ثواب کرنا) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین سے اس انداز سے منقول نہیں

www.dawateislami.net

اگرچہ یہ کام اپنی اصل کے اعتبار سے قرآن وسنت اور عمل صحابہ سے ثابت ہے، تو مروجہ طریقہ (یعنی بزرگان دین کے یوم وفات پر دینی محافل کا انعقاد، مسلمانوں کو کھانا کھلا کر یا کوئی بھی نیکی کا کام کر کے اس کا ایصال ثواب کرنا) اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین سے منقول نہیں، لیکن یہ ایسی بدعت حسنہ ہے کہ جو قرآن وسنت کے نہ تو مخالف ہے اور نہ ہی اس سے کوئی سنت مٹنے والی ہے اور ان کاموں کے مروجہ طریقوں کو کثیر مسلمان کئی صدیوں سے اچھا جان کر کرتے آئے ہیں اور اچھا جان کر کر رہے ہیں، مذکورہ کاموں کے جواز پر اگرچہ کئی ایک ادلہ شرعیہ موجود ہیں، لیکن چونکہ مسلمان اسے اچھا بھی سمجھتے ہیں، تو ان اعمال کے درست ہونے اور اچھے ہونے پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان: "ما رأہ المسلمون حسنا، فھو عند اللہ حسن، وما رأوا سیئا فھو عند اللہ سیئ" کو بھی بطور دلیل نقل کیا جاتا ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ محافل میلاد، فاتحہ، عرس وغیرہ پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "یعنی ہمیشہ وہ عقیدے اختیار کرو جو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ہوں، یہ حدیث منصوص اور غیر منصوص سارے احکام کو شامل ہے۔ آیات واحادیث کے جو معنی مسلمانوں کی بڑی جماعت نے سمجھے ہیں وہی حق ہیں۔ آج اگر کوئی نئے معنے بتائے تو جھوٹا ہے۔ خاتم النبیین کے معنے آخری نبی، صلوٰۃ وزکوۃ کے معنی مروجہ نماز اور صدقہ ہیں، جو کہے کہ خاتم النبیین کے معنی اصلی نبی، صلوٰۃ وزکوۃ سے کچھ اور مراد لے، یہ غلط ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کا بڑا گروہ میلاد، فاتحہ، عرس وغیرہ کو اچھا سمجھتا ہے واقعی یہ کام اچھے ہیں، اگر کچھ لوگ انہیں حرام کہیں، جھوٹے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے، جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ رب فرماتا ہے ﴿لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ حضور فرماتے ہیں: تم زمین میں اللہ کے گواہ رہو۔ یہ سب حدیثیں اسی مشکوٰۃ شریف میں آئیں گی۔ لہذا جس کام کو عام علماء، صلحاء اور عوام مسلمین اچھا جانیں وہ اچھا ہی ہے۔"

(مراۃ المناجیح، جلد1، صفحہ171، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

www.dawateislami.net

اجماع اور مسلمانوں کی پسند، ناپسند

اجماع کے لغوی معنیٰ اتفاق کے ہیں۔ شریعت میں اجماع کے مختلف مدارج ہیں اور دین میں مسائل کے اثبات میں اسے ایک عظیم دلیل کے طور پر شمار کیا جاتا ہے۔ اجماع کے دین میں حجت ہونے پر قرآن و حدیث سے کئی ایک دلائل کو علماء نے ذکر کیا ہے۔ ان دلائل میں علماء نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان: "ما رأه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن" کو بھی ذکر کیا ہے کہ اجماع حجت ہے، کیونکہ جس چیز کو لوگ اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس کو برا جانیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بری ہے۔

اور علماء نے متعدد مسائل کہ جن پر اجماع واقع ہوا، ان مسائل کو درست ثابت کرنے کے لیے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان: "ما رأه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ" کو ذکر کیا ہے، لہذا ذیل میں اس روایت کے تناظر میں اجماع کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

عبد العزیز بن احمد بن محمد، علاء الدین البخاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ حجیتِ اجماع پر دلائل ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: " هَذَا مِنْ الْحُجَجِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالسُّنَّةِ فِي إثْبَاتِ كَوْنِ الْإِجْمَاعِ حُجَّةً وَهِيَ أَدَلُّ عَلَى الْغَرَضِ مِن نُصُوصِ الْكِتَابِ وَإِنْ كَانَتْ دُونَهَا مِنْ جِهَةِ التَّوَاتُرِ وَتَقْرِيرُ هَذَا الدَّلِيلِ أَنَّ الرِّوَايَاتِ تَظَاهَرَتْ عَنْ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِصْمَةِ هَذِهِ الْأُمَّةِ عَنْ الْخَطَأِ بِأَلْفَاظٍ مُخْتَلِفَةٍ عَلَى لِسَانِ الثِّقَاتِ مِنَ الصَّحَابَةِ كَعُمَرَ وَابْنِهِ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي سَعِيد الْخُدْرِيّ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَحُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ وَغَيْرِهِمْ مَعَ اتِّفَاقِ الْمَعْنَى كَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ :" لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الْخَطَأِ۔ مَارَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَن۔ لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ أَوْ

www.dawateislami.net

عَلَى ضَلَالَة ''یعنی: یہ وہ دلائل ہیں جو اجماع کو حجت ثابت کرنے سے متعلق ہیں اور یہ دلائل کتاب کی نصوص کی بنسبت مقصود پر زیادہ دلالت کرنے والے ہیں، اگرچہ تواتر کی حیثیت سے اس میں کمی ہے اور ان دلائل کی تفصیل یہ ہے کہ جمیع امت کے خطا سے محفوظ ہونے سے متعلق، ایک ہی معنی میں مختلف الفاظ کے ساتھ ثقہ صحابہ مثلاً: حضرت عمر، ان کے بیٹے، ابن مسعود، ابو سعید خدری، انس بن مالک، ابو ہریرہ، حذیفہ بن یمان وغیرہ رضی اللہ عنہم کی زبانوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات بیان ہوئی ہیں۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ''میری امت خطا پر جمع نہیں ہو سکتی'' اور یہ روایت: ''جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے'' اور یہ حدیث ''میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔''

(کشف الأسرار شرح أصول البزدوي، جلد3، صفحہ258، دار الکتاب الإسلامي)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی رحمۃ اللہ علیہ حجیتِ اجماع پر کلام کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: '' وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: '' لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ'' وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ''مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ'' هَذِهِ هِيَ الْأَدِلَّةُ الْمَشْهُورَةُ عَلَى أَنَّ الْإِجْمَاعَ حُجَّةٌ''یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ: ''میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: ''جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے'' مذکورہ روایات اجماع کے حجت ہونے پر مشہور دلائل میں سے ہیں۔ (شرح التلویح علی التوضیح، جلد2، صفحہ98، مکتبۃ صبیح، مصر)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ظاہری کے بعد، مسلمانوں کا خلیفہ کون ہو گا؟ اس بارے میں تمام صحابہ کی رائے اس پر تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا

جائے اور پھر صحابہ کرام کی اتفاقِ رائے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیا گیا اور ان کی خلافت پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا، تو چونکہ تمام صحابہ کی رائے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کو اچھا جانا گیا، تو یہ (ان کا خلیفہ ہونا) اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہو گا، اسی لیے محدثین نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد، اس پر مثال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کرام کے اجماع ہونے کی دی ہے کہ جو مسلمانوں کے ہاں اچھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہو گا، لہذا صحابہ کرام نے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کو اچھا جانا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے۔

مستدرک علی الصحیحین میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اجماع کے بارے میں ہے: عن عبد الله قال: "ما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون سيئا فهو عند الله سيء، وقد رأى الصحابة جميعا أن يستخلفوا أبا بكر رضي الله عنه" یعنی: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: وہ چیز جسے مسلمان اچھا جانیں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے اور جس کو وہ برا جانیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہوتی ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے یہ خیال کیا کہ انہیں خلیفہ بنایا جائے (تو تمام صحابہ کرام کے اتفاق سے انہیں خلیفہ بنادیا گیا)۔

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، جلد3، صفحہ83، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یونہی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فضائل الصحابہ میں ہے: "عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَهُ، يُقَاتِلُونَ عَلَى دِينِهِ، فَمَا رَأَى

www.dawateislami.net

الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا، فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ سَيِّئٌ، وَقَدْ رَأَى أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيعًا أَنْ يَسْتَخْلِفُوا أَبَا بَكْرٍ

"یعنی: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کے بعد بندوں کے دلوں میں نظر فرمائی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں کو دوسرے بندوں کے دلوں سے بہتر پایا اور ان کو اپنے نبی کے وزیر بنا دیا، جو اس کے دین کے لیے لڑتے ہیں، پس وہ چیز جسے مسلمان اچھا سمجھیں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے اور جس کو وہ برا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے یہ خیال کیا کہ انہیں خلیفہ بنایا جائے (تو تمام صحابہ کرام کے اتفاق سے انہیں خلیفہ بنا دیا گیا)۔

(فضائل الصحابۃ لأمام احمد بن حنبل، جلد1، صفحہ367، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

شراب پینے پر کوڑوں کی تعداد پر اجماع

اسلام میں شراب پینے کی حد 80 کوڑے ہیں، اس پر اولاً صحابہ کرام علیہم الرضوان، پھر ساری امت کا بغیر انکار کے اجماع ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب پینے پر کوڑے کی حد کی مقدار میں مختلف روایات موجود ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی ہے کہ انہوں نے شراب پینے پر 40 کوڑے لگائے، لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شراب کی حد 80 کوڑے مقرر کی اور اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ اس مقام پر علماء محدثین نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اس اجماع کے درست ہونے میں دوسرے دلائل کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول: "ما رأہ المسلمون حسنا، فھو عند اللہ حسن، وما رأوا سیئا فھو عند اللہ سیئ" بھی نقل کیا ہے۔

www.dawateislami.net

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ شراب پینے کی حد پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اجماع کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:" أن التوقيف فى حد الخمر على ثمانين إنما كان فى زمن عمر وانعقد إجماع الصحابة على ذلك، فلا تجوز مخالفتهم، لأن إجماعهم معصوم كما أجمعوا على مصحف عثمان ومنعوا مما عداه، فانعقد الإجماع على ذلك ولزمت الحجة به، وقد قال تعالى:﴿يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(سورة النساء، آيت 115) وقال ابن مسعود: ما رآه المؤمنون حسنًا فهو عند الله حسن، لأن إجماعهم معصوم "یعنی: شراب پینے کی حد کو 80 کوڑوں پر موقوف کرنا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا اور اس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع بھی ہو گیا، لہذا اب اس کی مخالفت کرنا، جائز نہیں، کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع خطا سے محفوظ ہے، جیسا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مصحف پر اجماع کیا اور مصحف عثمانی کے علاوہ مصاحف سے منع کر دیا، تو اس پر اجماع ہو گیا اور اجماع کو حجت ماننا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:" مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے " (سورۃ النساء ، آیت 115) اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: جسے مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع خطا سے محفوظ ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال، جلد 8، صفحہ 396، عرب شریف)

یونہی علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ شراب پینے کی حد پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اجماع کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:" اتّفق إِجْمَاع الصَّحَابَة فِي زمن عمر على الثَّمَانِينَ فِي حد الْخمر وَلَا مُخَالف لَهُم مِنْهُم وعَلى ذَلِك جمَاعَة التَّابِعين وَجُمْهُور فُقَهَاء الْمُسلمين. وَالْخلاف فِي ذَلِك كالشذوذ المحجوج بالجمهور، وَقَالَ ابْن

www.dawateislami.net

مَسْعُود: مَا رَآهُ الْمُسلمُونَ حسنا فَهُوَ عِنْد الله حسن. وَقَالَ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: عَلَيْكُم بِسنتي وَسنة الْخُلَفَاء الرَّاشِدين من بعدِي "یعنی: شراب پینے کی حد 80 کوڑے ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع متفق ہو گیا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے کسی ایک نے بھی مخالفت نہیں کی اور تابعین کی جماعت اور مسلمانوں کے جمہور فقہاء کا بھی اسی پر اتفاق ہے اور اس معاملے میں اختلاف، جمہور کے مقابلے میں ترک کیے ہوئے شاذ قول کی طرح ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: جسے مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا لازم ہے۔

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري، جلد23، صفحہ266، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

ہر زمانے کا اجماع حجت ہے

اجماع حجت ہے اور یہ کسی خاص زمانے مثلاً: صحابہ کرام علیہم الرضوان یا تابعین کے زمانے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر زمانے کا اجماع، دین میں حجت ہے، جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: ہر زمانے کا اجماع حجت ہے اور اپنی اس بات کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان: "ما رأه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن" سے ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "تمام مسلمانوں کا کسی چیز کو اچھا جاننا یا کسی چیز کو برا جاننا" یہ ادلۂ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہر زمانے کے اجماع کو حجت قرار دیا ہے: "أن الشيباني يقول بحجية الإجماع من أهل كل عصر وقد استدل الشيباني بالأثر القائل: "ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن وما رآه المسلمون قبيحاً فهو عند الله قبيح"

www.dawateislami.net

على كون استحسان المسلمين جميعهم لشيء أو استقباحهم له دليلاً من الأدلة

"یعنی: امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "ہر زمانے کا اجماع دین میں حجت ہے اور امام محمد شیبانی نے اس قول: "جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے اور جس کو وہ برا جانیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہوتی ہے" سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کا کسی چیز کو اچھا جاننا یا کسی چیز کو برا جاننا یہ ادلۂ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے۔

(الأصل للشيباني، صفحہ200، مطبوعہ بیروت)

عرف وتعامل اور مسلمانوں کی پسند، ناپسند

عرف کے لغوی معنی: رواج، چلن اور دستور کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی یہ ہے کہ ایسا امر جو عام طور پر عوام وخواص کے درمیان رائج ہو اور عقول سلیمہ اسے تسلیم کرتی ہوں اور تعامل کا لغوی معنی: باہم مشارکت کے ساتھ عمل کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ چیز جس پہ عام طور پر لوگوں کا عمل درآمد ہو۔ بہ لفظ دیگر، جسے عوام وخواص سبھی اچھا جان کر کرتے اور برتتے ہوں۔

عرف و تعامل اس کی شریعت میں ایک خاص اہمیت ہے اور اسے دین میں بہت سے مسائل میں حجت مانا گیا ہے، حتی کے عرف سے ثابت ہونے والے حکم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عرف سے ثابت ہونے والا حکم، نص سے ثابت ہونے والے حکم کی طرح ہے اور اس پر قرآن وحدیث میں بہت سے دلائل موجود ہیں اور علماء نے عرف وتعامل کے حجت ہونے پر دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول: "ما رأه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ" کو بھی عرف وتعامل کی حجیت میں پیش کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول میں چونکہ مسلمانوں کی رائے کا

www.dawateislami.net

ذکر ہے اور ان کی رائے کے اچھے ہونے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا قرار دیا ہے، لہذا جس چیز کے اچھا یا برا ہونے پر لوگوں کا عرف و تعامل ہو جائے، تو اس کا ضرور اعتبار کیا جائے گا۔

مفتی نظام الدین رضوی حفظہ اللہ تعالیٰ عرف و تعامل کا لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "عرف کے لغوی معانی: رواج چلن، دستور کے ہیں اور عرف کا اصطلاحی معنی: ایسا امر جو عام طور پر عوام و خواص کے درمیان رائج ہو اور عقول سلیمہ اسے تسلیم کرتی ہوں اور تعامل کا لغوی معنی: باہم مشارکت کے ساتھ عمل کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی یہ ہے کہ وہ چیز جس پر عام طور سے لوگوں کا عمل درآمد ہو۔ بہ لفظ دیگر، جسے عوام و خواص سبھی اچھا جان کر کرتے اور برتتے ہوں۔"

(ماخوذ از فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول، صفحہ 184، 189، دار النعمان، کراچی)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ عرف سے ثابت ہونے والے حکم کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: " أن الثابت بالعرف كالثابت بالنص یعنی: عرف سے ثابت ہونے والا حکم نص سے ثابت ہونے والے حکم کی طرح ہے۔

(الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین، جلد 4، صفحہ 364، دار الفکر، بیروت)

یونہی علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عرف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں "ان الثابت بالعرف ثابت بدليل شرعي، وهو قوله عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :" ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن "یعنی: عرف سے ثابت ہونے والا حکم دلیل شرعی سے ثابت ہونے والا قرار پائے گا اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جسے مسلمان اچھا جانیں، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(البناية شرح الهداية، جلد 8، صفحہ 182، دار الكتب العلميه، بيروت)

www.dawateislami.net

علامہ کمال ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ حجیتِ عرف پر کلام کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:"
ان العرف إنما صار حجة بالنص وهو قوله صلى الله عليه وسلم: "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن "یعنی: عرف بھی نص کی وجہ سے حجت و دلیل ہے (اور وہ نص یہ کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جسے مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ (فتح القدیر للکمال ابن الہمام، جلد 7، صفحہ 15، دار الفکر، بیروت)

منقولی چیزوں کا وقف

کسی شے کو اپنی ملک سے خارج کر کے خالص اللہ عزوجل کی مِلک کر دینا اس طرح کہ اُس کا نفع بندگانِ خدا میں سے جس کو چاہے، ملتا رہے، وقف کہلاتا ہے اور وقف کی شرائط میں سے یہ شرط بھی ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے ہو (اگرچہ وقف کرتے وقت ہیشگی کے الفاظ کا صراحتاً ہونا ضروری نہیں) کہ اگر ایک وقت مخصوص کے لیے وقف کیا، تو وہ وقف باطل ہو گا، اسی لیے فقہاء نے منقولی چیزوں کے وقف کو درست نہیں قرار دیا کہ منقولی چیزوں میں ہیشگی کے معنی نہیں پائے جاتے، لیکن فقہاء نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ البتہ وہ منقولی چیزیں جن میں عرف و تعامل متحقق ہو جائے ان چیزوں کو خلاف قیاس عرف و تعامل پر عمل کرتے ہوئے وقف کرنا، جائز ہے اور اس عرف و تعامل کے درست ہونے اور قابل عمل ہونے پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان:" ماراه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ "کو بطور دلیل نقل کیا ہے۔

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ وقف کا معنی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "وقف کے یہ معنی ہیں کہ کسی شے کو اپنی مِلک سے خارج کر کے خالص اللہ عزوجل کی مِلک کر دینا اس طرح کہ اُس کا نفع بندگانِ خدا میں سے جس کو چاہے ملتا رہے۔"

www.dawateislami.net

(بہار شریعت، حصہ 10، صفحہ 523، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وقف کی شرائط میں سے یہ شرط بھی ہے کہ یہ ہمیشہ کے لیے ہو، اس بارے میں بہار شریعت میں ہے: "تابید یعنی ہمیشہ کے لیے ہونا، مگر صحیح یہ ہے کہ وقف میں ہمیشگی کا ذکر کرنا شرط نہیں یعنی اگر وقف مؤبد نہ کہا جب بھی مؤبد ہی ہے اور اگر مدت خاص کا ذکر کیا، مثلاً: میں نے اپنا مکان ایک ماہ کے لیے وقف کیا اور جب مہینہ پورا ہو جائے تو وقف باطل ہو جائے گا تو یہ وقف نہ ہوا اور ابھی سے باطل ہے۔" (بہار شریعت، حصہ 10، ص 532، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

منقولی اشیاء کے وقف کے بارے میں علامہ علاؤ الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ در مختار میں ارشاد فرماتے ہیں: "وقف بقرة على أن ما خرج من لبنها أو سمنها للفقراء إن اعتادوا ذلك رجوت أن يجوز (وقدر وجنازة) وثيابها ومصحف وكتب لأن التعامل يترك به القياس لحديث: "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن" بخلاف ما لا تعامل فيه كثياب "یعنی: گائے کو اس طور پر وقف کرنا کہ جو اس میں سے دودھ مکھن نکلے گا وہ فقراء کے لیے ہو گا، تو اگر لوگوں کی اس طرح وقف کرنے کی عادت ہو، تو امید ہے کہ یہ جائز ہو اور ہانڈی، تابوت اور میت کے اوپر ڈالنے والا کپڑا، قرآن پاک، کتابیں (وقف کرنا، جائز ہے) کیونکہ تعامل الناس کے ذریعے قیاس کو ترک کیا جائے گا، اس وجہ سے کہ حدیث میں ہے: "جسے مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے" بخلاف ان چیزوں میں کہ جن میں تعامل نہیں، جیسے کپڑے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کے تحت رد المحتار میں ارشاد فرماتے ہیں: "فإن القياس عدم صحة وقف المنقول لأن من شرط الوقف التأبيد، والمنقول لا يدوم "یعنی: قیاس یہ ہے کہ منقولی چیز کا وقف درست نہ ہو کیونکہ وقف کی شرائط میں سے ایک

www.dawateislami.net

شرط اس وقف کا ہمیشہ کے لیے ہونا ہے اور منقولی چیز میں ہمیشگی کے معنی نہیں پائے جاتے۔

(الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین، جلد4، صفحہ364، دار الفکر، بیروت)

علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ منقولی اشیاء کے وقف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "ولو وقف أشجارا قائمة، فالقياس أن لا يجوز، لأنه وقف المنقول، وفي الاستحسان يجوز لتعامل الناس ذلك، وما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن "یعنی: اگر زمین پر لگے ہوئے صرف درختوں کو (زمین کے بغیر) وقف کیا، تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہوں، کیونکہ یہ منقولی چیز کا وقف ہے، ہاں لوگوں کے تعامل کی وجہ سے استحسان کے طور پر جائز ہے، کیونکہ جسے مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، جلد6، صفحہ220، دار الکتب العلمیہ)

بیع استصناع

کاریگر کو فرمائش دے کر چیز بنوانا بیع استصناع کہلاتی ہے، اس عقد کو فقہاء نے عقد بیع قرار دیا ہے اور بیع کی شرائط میں سے یہ شرط بھی ہے کہ وہ چیز معدوم نہ ہو کہ معدوم کی بیع درست نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانے سے لے کر اب تک مسلمانوں میں مختلف چیزوں میں بیع استصناع بغیر انکار کے رائج ہے، کسی زمانے کے علماء نے اس سے منع نہیں کیا، تو فقہاء نے لوگوں کے عرف و تعامل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بیع استصناع کے بارے کہا کہ: بیع استصناع صرف ان چیزوں میں جائز ہوگی جن میں لوگوں کا عرف تعامل ہو اور جن میں لوگوں کا عرف و تعامل نہیں، اُن میں بیع استصناع کرنا، جائز نہ ہوگا اور دلیل میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول: "ما راه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ" نقل کیا ہے اور اس روایت کے تناظر میں یہ کہا ہے کہ جس

www.dawateislami.net

چیز میں لوگ بیع استصناع درست خیال کریں گے اس چیز میں بیع استصناع درست ہی ہو گی، بخلاف اس چیز میں کہ جس میں لوگوں کا بیع استصناع کرنے کا تعامل نہیں۔

علامہ محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الائمہ السرخسی رحمۃ اللہ علیہ بیع استصناع کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "(وإذا استصنع الرجل عند الرجل خفين أو قلنسوة أو طستا أو كوزا أو آنية من أواني النحاس فالقياس أن لا يجوز ذلك) لأن المستصنع فيه مبيع وهو معدوم وبيع المعدوم لا يجوز لنهيه صلى الله عليه وسلم عن بيع ما ليس عند الإنسان .....ولكنا نقول نحن تركنا القياس لتعامل الناس في ذلك فإنهم تعاملوه من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى يومنا هذا من غير نكير منكر وتعامل الناس من غير نكير أصل من الأصول كبير لقوله صلى الله عليه وسلم: "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وقال: صلى الله عليه وسلم: "لا تجتمع أمتي على ضلالة"

یعنی: جب ایک شخص دوسرے شخص کو موزے، ٹوپی، ہاتھ دھونے کا برتن، ڈنڈی دار پیالہ یا تانبے کے برتنوں میں سے کوئی برتن بنانے کے لیے دے، تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، اس لیے کہ جس چیز کا یہاں بنانے کے لیے کہا گیا ہے وہ مبیع ہے اور یہ ابھی معدوم ہے اور معدوم کی بیع کرنا، جائز نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس چیز کو بیچنے سے منع فرمایا ہے جو چیز انسان کے پاس موجود نہیں..... لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے قیاس کو لوگوں کے تعامل کی وجہ سے ترک کر دیا ہے کہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اب تک بغیر کسی کے انکار کے بیع استصناع کر رہے ہیں اور بغیر کسی کے انکار کے لوگوں کا کسی کام میں تعامل ہونا اسلام کے بڑے اصولوں میں سے ایک اصول ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جسے مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔ (المبسوط للسرخسي، جلد12، صفحہ138، دار المعرفہ، بیروت)

www.dawateislami.net

یونہی علامہ برہان الدین محمود بن احمد رحمۃ اللہ علیہ محیط برہانی میں بیع استصناع کے بارے میں فرماتے ہیں :" أنا تركنا القياس وجوزناه بتعامل الناس، فإن الناس تعاملوا الاستصناع في هذه الأشياء من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم الى يومنا هذا من غير نكير، ولا رد من الصحابة رضي الله عنهم ولا من التابعين رحمهم الله، وتعامل الناس من غير نكير (ولا) رد من علماء كل عصر حجة يترك بها القياس ويخص بها الأثر، ألا ترى أن دخول الحمام بأجر جائز استحسانا لتعامل الناس من غير نكير من علماء كل عصر وإن كان القياس يأبى جوازه، لأن مدة ما يمكث في الحمام وقدر ما يستعمل من الماء مجهول. وكذلك لو قال لسقاء: أعطني شربة ماء بفلس جاز ذلك لتعامل الناس فيه من غير نكير ورد من علماء كل عصر، وإن كان القياس يأبى جوازه فكذلك هذا. والأصل في ذلك ما روى عن النبي عليه السلام أنه قال: "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، والمسلمون رأوا الاستصناع حسنا فيكون حسنا بخلاف الاستصناع فيما لا يتعامل الناس فيه نحو الثياب وما أشبه ذلك، لأن المجوز للاستصناع التعامل ففيما لا تعامل فيه لا يجوز فيعمل فيه بالقياس "یعنی: ہم نے قیاس کو ترک کر دیا اور استصناع کو تعامل الناس کی وجہ سے جائز قرار دیا کہ لوگ ان اشیاء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک بغیر کسی کے انکار کے بیع استصناع کرتے آئے ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان اور تابعین رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی اس سے نہیں روکا اور لوگوں کا بغیر کسی کے انکار کے کسی چیز میں تعامل ہونا اور ہر زمانے کے علماء کا اس سے نہ روکنا، یہ ایسی دلیل ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے قیاس کو ترک کیا جائے گا اور اثر کو اس دلیل کے ساتھ خاص بھی کر دیا جائے گا، کیا تو دیکھتا نہیں ہے کہ اجرت کے بدلے حمام میں داخل ہونا یہ استحساناً ہر زمانے کے علماء کے انکار کیے بغیر لوگوں کے تعامل کی وجہ

www.dawateislami.net

سے جائز ہے، اگرچہ قیاس اس کے جواز کا انکار کرتا ہے، کیونکہ حمام میں ٹھہرنے کی مدت اور پانی کے استعمال کی مقدار مجہول ہے، یونہی اگر کسی نے پانی پلانے والے کو کہا کہ ایک روپے کے بدلے مجھے پانی پلاؤ، تو لوگوں کے اس میں بغیر انکار کے تعامل اور ہر زمانے کے علماء کے منع نہ کرنے کی وجہ سے جائز ہے، اگرچہ قیاس اس کے جواز کا انکار کرتا ہے، لہذا اس میں بھی حکم یہی ہو گا (یعنی خلاف قیاس عرف و تعامل کی بنا پر جائز ہو گا) اور اس معاملے میں قاعدہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جسے لوگ اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور مسلمان بیع استصناع کو اچھا خیال کرتے ہیں، تو بیع استصناع درست ہی ہے، بخلاف ان چیزوں میں استصناع کے جن میں لوگوں کا تعامل نہیں، جیسے کپڑے یا اس طرح کی دوسری چیزیں، کیونکہ استصناع کو تعامل الناس نے جائز قرار دیا ہے، تو جس چیز میں لوگوں کا تعامل نہیں اس میں بیع استصناع جائز نہیں، وہاں قیاس پر ہی عمل کیا جائے گا۔

(المحیط البرھاني في الفقه النعماني، جلد7، صفحہ135، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بیع استصناع کا معنی اور اس کے جواز کی صورت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ”کبھی ایسا ہوتا ہے کاریگر کو فرمایش دے کر چیز بنوائی جاتی ہے اس کو استصناع کہتے ہیں، اگر اس میں کوئی میعاد مذکور ہو اور وہ ایک ماہ سے کم کی نہ ہو، تو وہ سلم ہے۔ تمام وہ شرائط جو بیع سلم میں مذکور ہوئے اُن کی مراعات کی جائے یہاں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کے بنوانے کا چلن اور رواج مسلمانوں میں ہے یا نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھیں گے کہ اس میں سلم جائز ہے یا نہیں۔ اگر مدت ہی نہ ہو یا ایک ماہ سے کم کی مدت ہو، تو استصناع ہے اور اس کے جواز کے لیے تعامل ضروری ہے، یعنی جس کے بنوانے کا رواج ہے، جیسے موزہ۔ جوتا۔ ٹوپی وغیرہ اس میں استصناع درست ہے اور جس میں رواج نہ ہو جیسے کپڑا بُنوانا۔ کتاب چھپوانا اُس میں صحیح نہیں۔۔۔۔۔ علما کا اختلاف ہے کہ استصناع کو بیع قرار دیا جائے یا وعدہ۔ جس کو بنوایا جاتا ہے وہ

www.dawateislami.net

معدوم شے ہے اور معدوم کی بیع نہیں ہو سکتی، لہٰذا وعدہ ہے، جب کاریگر بنا کر لاتا ہے اُس وقت بطور تعاطی بیع ہو جاتی ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ بیع ہے تعامل نے خلاف قیاس اس بیع کو جائز کیا، اگر وعدہ ہوتا تو تعامل کی ضرورت نہ ہوتی، ہر جگہ استصناع جائز ہوتا۔

(بہار شریعت، حصہ 11، صفحہ 807، 808، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

حمام کی اجرت، باوجود اس کے کہ منفعت مجہول ہے جائز ہے

کسی چیز کا کرایہ دے کر اس چیز سے منفعت حاصل کرنا اسلام میں جائز ہے، لیکن اسلام میں لوگوں کی بھلائی کے لیے اس کے کچھ اصول و قوانین مقرر کیے گئے ہیں، ان اصول و قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ اجرت اور منفعت مجہول نہ، بلکہ متعین ہو کہ جہاں منفعت یا اجرت مجہول ہو وہاں یہ عقد جائز نہ ہو گا، تو اس تناظر میں علماء نے حمام کی اجرت پر کلام کیا ہے کہ: حمام میں نہانے کی اجرت جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ حمام میں نہانے والا کتنی دیر ٹھہرے گا اور کتنا پانی استعمال کرے گا؟ معلوم نہیں، بلکہ مجہول ہے، تو اصول کے مطابق یہ جائز نہیں ہونا چاہئے، لیکن علماء نے اس کی اجرت کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ حمام میں اجرت دے کر نہانا چونکہ اس پر ہر زمانے کے علماء کے انکار کے بغیر عام مسلمانوں کا عرف و تعامل ہے، لہٰذا مسلمانوں کے اس اتفاق کی وجہ سے اس جہالت کا اعتبار بھی نہیں کیا جائے گا اور پھر اس کے جائز ہونے پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول: "ما راہ المسلمون حسنا، فھو عند اللہ حسن، وما رأوا سیئا فھو عند اللہ سیئ" کو نقل کیا ہے۔

علامہ ابو الحسن برہان الدین المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ حمام کی اجرت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "ویجوز أخذ أجرۃ الحمام والحجام، أما الحمام فلتعارف الناس ولم تعتبر الجھالۃ لإجماع المسلمین. قال علیہ الصلاۃ والسلام: "ما رآہ المسلمون

www.dawateislami.net

حسنا فهو عند الله حسن "یعنی: حمام اور حجام کی اجرت لینا جائز ہے، بہر حال حمام کی اجرت لینا اس وجہ سے جائز ہے کہ اس میں لوگوں کا تعامل ہے اور اس میں مسلمانوں کے اجماع کی وجہ سے جہالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (اس کی دلیل یہ ہے کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے لوگ اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(الهداية في شرح بداية المبتدي، جلد3، صفحہ238، دار احياء التراث العربي، بيروت)

یونہی حمام کی اجرت کے بارے میں علامہ کمال ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "(ويجوز أخذ أجرة الحمام والحجام) أما الحمام فلتعارف الناس ولم تعتبر الجهالة لإجماع المسلمين. قال: عليه الصلاة والسلام: "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن "یعنی: حمام اور حجام کی اجرت لینا جائز ہے، بہر حال حمام کی اجرت لینا اس وجہ سے جائز ہے کہ اس میں لوگوں کا تعامل ہے اور اس میں مسلمانوں کے اجماع کی وجہ سے جہالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (اس کی دلیل یہ ہے کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے لوگ اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(فتح القدير للكمال ابن الهمام، جلد9، صفحہ96، دار الفكر، بيروت)

علامہ برہان الدین محمود بن احمد رحمۃ اللہ علیہ محیط برہانی میں حمام کی اجرت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "أن دخول الحمام بأجر جائز استحسانا لتعامل الناس من غير نكير من علماء كل عصر وإن كان القياس يأبى جوازه، لأن مدة مايمكث في الحمام وقدر ما يستعمل من الماء مجهول. وكذلك لو قال لسقاء: أعطني شربة ماء بفلس جاز ذلك لتعامل الناس فيه من غير نكير ورد من علماء كل عصر، وإن كان القياس يأبى جوازه فكذلك هذا. والأصل في ذلك ماروي عن النبي عليه السلام أنه قال: "ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن "یعنی: اجرت کے بدلے میں حمام

www.dawateislami.net

میں داخل ہونا استحساناً ہر زمانے کے علماء کے انکار کیے بغیر لوگوں کے تعامل کی وجہ سے جائز ہے ،اگرچہ قیاس اس کے جواز کا انکار کرتا ہے ،کیونکہ حمام میں ٹھہرنے کی مدت اور پانی کے استعمال کی مقدار مجہول ہے ،یونہی اگر کسی نے پانی پلانے والے کو کہا کہ ایک روپے کے بدلے مجھے پانی پلاؤ، تو لوگوں کے اس میں بغیر انکار کے تعامل اور ہر زمانے کے علماء کے منع نہ کرنے کی وجہ سے جائز ہے ،اگرچہ قیاس اس کے جواز کا انکار کرتا ہے ،لہذا اس میں بھی حکم یہی ہو گا (یعنی خلاف قیاس عرف و تعامل کی بنا پر جائز ہو گا)اور اس معاملے میں قاعدہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: جسے لوگ اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی، جلد 7، صفحہ 135، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حرفِ آخر

مذکورہ بالا تمام دلائل و شواہد سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ ائمہ مجتہدین وفقہائے کرام کے نزدیک حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مقبول، لائق استدلال اور یہ قانون: "**ما راٰہ المسلمون حسنا، فھو عند اللہ حسن**" **(جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے)** تسلیم شدہ اور قابلِ عمل ہے۔ اس قانون سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مسائل کہ جن کا قرآن و حدیث و اقوال صحابہ میں صراحتاً ذکر نہیں اور وہ مسائل قرآن و حدیث سے ٹکرانے والے بھی نہیں، لیکن انہیں اختیار کرنے کو عامۃ المسلمین اچھا خیال کرتے ہیں ،تو انہیں اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مقبول ہو گا ،اس قانون سے جہاں کئی ایک چیزوں کی اصلاح ہوتی ہے ،وہاں خصوصی طور پر ان لوگوں کے لیے بھی اصلاح ہے کہ جو یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے یہ کام نہیں کیا، لہذا یہ

www.dawateislami.net

جائز نہیں، حالانکہ عامۃ المسلمین اس کام کو اچھا جان کر کر رہے ہوتے ہیں اور قرآن وحدیث میں اس پر ممانعت بھی نہیں ہوتی، تو ایسے لوگوں کو چاہیے کہ اس اسلامی قانون کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی اصلاح کریں کہ جب عامۃ المسلمین اس عمل کو اچھا جان رہے ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مقبول ہو گا اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو اسے ناجائز سے تعبیر کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اور گزشتہ گفتگو میں اختصار کے ساتھ چند مثالوں کو بیان کیا گیا ہے، البتہ بیان کردہ مثالوں کے علاوہ بھی مثالیں گزشتہ زمانے میں اور موجودہ زمانے میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ اصول کے تحت ذکر کی جاسکتی ہیں کہ جنہیں لوگ اچھا جانتے ہیں اور اس بناء پر علماء نے ان کے جائز و مستحسن ہونے کا قول کیا ہے۔